خلاصۃ التواریخ

حکومت دہلی کی عمومی تاریخ

(وہ کتابیں اپنے آباء کی......اس عنوان کے تحت مصادر ومراجع میں سے کسی ایک کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے، اس بار مشہور کتاب خلاصۃ التواریخ کا تعارف نذر قارئین ہے)

نیلوفر حفیظ

''تاریخ'' ہمارا وہ گراں قدر وبیش قیمت سرمایہ ہے جو انسان کو ظلمت شب سے نکال کر ضوء روز سے متعارف ومانوس کراتا ہے، تاریخی سرمایہ خواہ کسی بھی زبان کا ہو، عہد گزشتہ کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ثقافتی ومذہبی حالات وواقعات کی آگہی کا سب سے مستند ومعتبر ومستحسن ماخذ ہوتا ہے، مزید برآں حکومتوں کے عروج وزوال، قوموں کی بلندی وپستی، دنیا میں ظہور پذیر ہونے والی ہمہ ترقیات وتنزلات کے پس پشت کون سے عوامی واسباب کارفرما تھے، ان حقائق کی پردہ دری بجز تاریخ ممکن نہیں، اگر کچھ وقفے کے لئے تاریخی سرمایہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے امروز وفردا کی کوئی منصوبہ بندی یا کوئی فیصلہ تجویز کرنا ہو تو سوائے تاریک راہوں میں بھٹکنے اور صحرا پیمائی کے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا، اپنے اطراف میں ایک سکوت وجمود، خوف وہراس اور انتشار وبحران کی فضا چھائی ہوئی محسوس ہوگی اور ایک بے بسی ولاچاری، مجبوری ومعذوری اور بے دست وپائی کا احساس ہوگا اور حال ومستقبل سے متعلق کوئی راہ متعین کی جاسکے گی اور نہ کوئی فیصلہ لینے کی اہلیت ہی پیدا ہوگی، غرض زندگی کا ہر شعبہ اپنی ترقی وپیش رفت کے لئے علم تاریخ کا محتاج ومجبور ہے۔

''زندہ لوگ اپنی تاریخ کو بھی زندہ رکھتے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اپنی تاریخ سے رشتہ توڑ کر نہ باوقار طور پر ترقی کر سکتا ہے، نہ باعزت طور پر زندہ سکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ تشخص اور خود اعتمادی کے لئے سب سے محکم بنیاد تاریخ ہے، کسی گروہ، علاقہ یا ملک کو لے لیجئے، اگر ان کا تاریخی سرمایہ محفوظ رہا ہے تو ان میں خود شناسی اور اعتمادی کا جوہر زندہ ہے، تاریخ قومی حافظہ ہے، یہ گیا تو پھر نام ونشان بھی گیا۔''(۱)

تاریخ گزرے ہوئے زمانے کے حالات کو جاننے کا واحد ذریعہ ہے، لیکن ماضی کے سانحات، حوادث، واقعات اور حالات کو قرطاس کے سپرد کر دینے کا نام ''تاریخ'' ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دشوار، پیچیدہ اور سنجیدہ فن ہے، جس کے

لئے مورخ کو انتھک محنت ومشقت، تلاش وجستجو اور کاوش وکوشش کو بروئے کار لانا پڑتا ہے، تاکہ گمنامی میں دفن حقائق کو بے نقاب کر کے سراغ منزل میں پریشان وسرگرداں لوگوں کی راہنمائی ہو سکے اور آئندگان کے لئے یہ حقائق مشعل راہ کا کام کر سکیں۔

''انسانی تہذیب نے خوب سے خوب تر کی تلاش میں جو ارتقائی سفر طے کیا اور جن وادیوں سے یہ کارواں رنگ وبو گزرا ہے ان کی روداد جب الفاظ کا پیکر اختیار کرتی ہے، تاریخ بن جاتی ہے، لیکن تاریخ ماضی کے واقعات کو صرف دہرا دینے ہی کا نام نہیں بلکہ ماضی کی بازیافت کا فن ہے۔'' (۲)

تاریخ زمانہ گزشتہ کی حکومتوں اور سلطنتوں کے جھوٹے سچے واقعات کو پیش کر دینا نہیں ہے، بلکہ تاریخ نویس کے لئے لازم ہے کہ وہ واقعات کو من وعن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سماج میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات کو بھی ضبط تحریر میں لائے اثنائے تاریخ، صداقت ودیانت کو پیش نظر رکھا جائے، اگر تاریخ ترتیب دیتے وقت حقائق کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا تو وہ تاریخ نہیں، بلکہ داستان گوئی وسحر طرازی ہے، جو بسا اوقات اس قدر گمراہ کن وتباہ کن بن جاتی ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔

''تاریخ کی کتابوں میں ہم کو صرف بادشاہوں کی تخت نشینی یا ان کی وفات کی تاریخیں، ان کی فتوحات، ان کے عہدے کے عظیم کارنامے، ان کی علم وہنر کی قدر دانی یا ان کی رفاہ عام کے کاموں میں دلچسپی ہی کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ تاریخی اہمیت کے پیچھے جو علل کے سلسلے تھے، ان کا علم بھی بہم پہنچاتا ہے۔'' (۳)

تاریخ ایک ایسا علم ہے جو دروغ وکذب وافتراء کے بیابانوں سے نجات دلا کر حقائق کی صداقت ولطافت سے روشناس کراتا ہے، لیکن بعض اوقات مورخین کی کم فہمی وسہل پسندی کے سبب وہ گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے اور حقیقت سے روشناس کرانے کے بجائے ایسی راہوں کا مسافر بنا دیتا ہے کہ جن میں بھٹک کر منزل مقصود سے محرومی ملتی ہے، حقائق ہمیشہ کے لئے گمنامی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں، عام طور پر ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب تاریخ نگار ملک وقوم کے مفاد کے بجائے اپنا نفع پیش نظر رکھتا ہے یا پھر کسی مصلحت یا بادشاہ وقت کے خوف سے حقائق کی پردہ دری کے بجائے پردہ پوشی کو اپنا شیوہ قرار دیتا ہے، بے شمار ایسے شواہد موجود ہیں، جن سے ہویدا ہے کہ یہ علم جس قدر نفع بخش ہے، اتنا ہی ضرر رساں بھی، بعض مورخین کی مصلحت پسندی نے بہت سے تاریخی حقائق پر اتنے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں کہ تمام تر مساعی کے باوجود وہ سچ سامنے نہیں آسکے ہیں، جن کی مدد سے قوم کی عظمت ووقار پر فخر کیا جاسکے، ایک خاص مقصد ومنشا کے پیش نظر رقم کی گئی تاریخیں زیادہ تباہ کن وگمراہ کن ثابت ہوتی ہیں۔

''علم تاریخ جس قدر بصیرت افزا وخرد افروز علم ہے، وہ بجائے خود عیاں ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی مخفی نہیں ہے کہ اس علم سے ہدایت اور ضلالت دونوں کا کام لیا جاسکتا ہے۔'' (۴)

فن تاریخ کے فرائض کو ادا کرنے کے لئے وسیع مطالعہ، باریک بینی، درستگی فکر اور سلامت فطرت ضروری ہے، ایک کامیاب تاریخ نویس وہ ہے، جو تحقیق کی پیچ، دشوار، خاردار جھاڑیوں میں اپنے لئے راہیں ہموار کرنے کا سلیقہ جانتا ہو، جو صبر وسکون وحوصلہ وہمت سے آراستہ ہو اور جو مشکلات کے گوہ گراں اور تکلیف دہ مراحل کو عبور کرنے کی کماحقہ واقفیت رکھتا ہو کہ حقائق کو اپنی بالغ نظری اور وسیع القلبی کی مدد سے ڈھونڈ سکے اور بدون کسی خوف ومصلحت کے ان کو قرطاس وقلم کے سپرد کردینے کا عزم مصمم بھی اس میں پایا جاتا ہو۔

''ایک اچھے مورخ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے ذریعے حقیقت پر سے اس طرح پردہ اٹھائے کہ قاری اس رفتہ رفتہ حقیقت شناسی کے عمل کے سحر میں مسحور ہوجائے اور یہ سحر اسی وقت ٹوٹے جب وہ آخری حقیقت سے ہمکنار ہوجائے، تاریخ میں سحر پیدا کرنا اس لئے بھی ضروری ہے، تاکہ قاری ایک وقت اپنے وجود اور فی زمانہ اپنی قدروں سے بالاتر ہوکر اپنے زیر سماج کی تصویر میں گم ہوکر اپنے کو ان میں سمجھنے لگے، تاریخ کے ساتھ اس طرح کی وابستگی تاریخ، مورخ اور قاری تینوں کی معراج ہے۔'' (۵)

ہمارے اسلاف کے کارنامہ ہائے رزم وبزم میں سیاسی وسماجی حالات سے متعلق علم تاریخ کا ایک نادر ونایاب ذخیرہ موجود ہے، یہ ایک ایسا بحر بے پایاں ہے، جس میں غواصی کے بعد بیش قیمت گوہروں سے دامن گراں بار ہوسکتے ہیں، یہ بدقسمتی ہوگی کہ اس گراں بہا علمی ذخیرے سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس سے محفوظ رکھنے کے لئے تنہا فارسی زبان میں ہی متعدد تاریخی کتب ہیں، جو زمانہ گزشتہ کے نہ جانے کتنے اسرار ورموز سموئے ہوئے ہیں اور مخطوطات کی صورت میں اپنوں و بیگانوں کی چشم التفات کی متمنی ومتقاضی ہیں، ہماری سرد مہری، بدسلوکی وبے اعتنائی کی نذر ہوکر اس جریدہ عالم سے محو ہوچکی ہیں اور اگر تمام تر حوادث زمانہ کے باوجود کچھ کتب باقی بچی بھی ہیں تو ان کی حیثیت انبار خس وخاشاک سے زیادہ نہیں۔

''خلاصۃ التواریخ'' ان ہی تاریخی کتب کے زمرے میں آتی ہے جو زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوکر منظر عام پر تو آئی، مگر ہماری لاپروائی اور فارسی زبان سے ہماری ناآشنائی کے سبب وہ مرتبہ ومقام نہ پاسکی، جس کی یہ معرکۃ الآراء کتاب مستحق تھی، جب کہ مغربی محققین وناقدین نے اس کی بے پناہ تاریخی اہمیت کا اعتراف اور اس سے استفادہ کیا ہے، اس کتاب کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سر سید احمد خاں نے اپنی مشہور ومعروف کتاب ''آثار الصنادید'' میں متعدد مقامات پر اس کے حوالے دیئے ہیں، جو اس کے مستند ومعتبر تاریخ ہونے پر دال ہے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس ارزشمند واہم تاریخی تصنیف کے مصنف کے احوال وآثار حیات تک ہماری دسترس میں نہیں ہیں، خود مصنف نے بھی اپنے احوال، حتیٰ کہ نام تک بھی اس پوری کتاب میں کہیں تحریر نہیں کیا ہے، نہ ہی اس کے عہد یا خاندان وغیرہ کے بارے میں ہی کوئی خاص معلومات ہیں، تحقیق ثابت کرتی ہے کہ اس تاریخ کا مصنف سجان رائے بھنڈاری ہے، جو کہ پنجاب کے ایک علاقے بٹالہ کا رہنے والا تھا اور غالباً وہ اپنے نام ونشان کو اس لئے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ ہندو

ہونے کی وجہ سے اس کی کتاب کی اہمیت کم نہ ہو جائے، اس لئے اس نے اس سچائی کو پردہ خفا میں رکھنا ہی مناسب و موزوں تصور کیا ہو، یا پھر وہ بدون کسی لالچ و طمع کے صرف حقائق سے پردہ کشائی کا متمنی رہا ہو، یا پھر مصلحت کے تحت یا بادشاہ وقت کے غضب کے خوف سے اس نے اپنا نام و دیگر ضروری معلومات بہم پہنچانا مناسب نہ سمجھا ہو۔

"ظاہراً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سجان رائے محض ایک غیر معمولی اور غیر معروف شخص تھا، جس کو اپنے اظہار نام سے یہ امید نہ ہو سکتی تھی کہ اس کی تصنیف یا تالیف کی کچھ قدر و قعت بڑھ جاتی ہے۔" (٦)

بہرکیف اس کتاب میں اس کے متعلق کوئی بھی اہم یا ضروری علم نہیں ملتا، اس کی دوسری تصنیف "خلاصۃ المکاتیب" کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ نے مصنف کی زندگی کے متعلق جو معلومات قلم بند کی ہیں، وہ اس طرح ہیں:

"سجان رائے کی ایک تصنیف خلاصۃ المکاتیب سے معلوم ہوا کہ سجان رائے کا ایک بیٹا رائے سنگھ تھا، امام اللہ چشتی، جو اس عہد کے ایک بڑے عالم تھے، مصنف کے دوست تھے، سجان رائے ١١١٠ھ تک شاہی ملازمت سے مستعفی ہو چکا تھا۔" (٧)

مؤلف کے بیان کی روشنی میں یہ کتاب دو سال کے عرصے میں اورنگ زیب کے ٤٠ ویں سن جلوس ١١٠٧ھ تا ١١٠٨ھ میں مکمل ہوئی اور عالم گیر کے نام معنون کی گئی، لیکن اس میں بعد کے بھی احوال ملتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اس میں تبدیلی و ترمیم کرتا رہا تھا، اس نے اس گراں قدر کتاب کے متعلق رقم کیا ہے:

"ایں کتاب را خلاصۃ التواریخ موسوم گردانید و عبارات و استعارات ایں نسخہ بدیعہ را از کتب دیگراں دزدی نکردہ بقدر لیاقت و استعداد خویش بتسطیر درآوردہ و ابیات مناسب حال بعضی از طبع ناقص و اکثری از اشعار شعرای نامدار کہ برمحل و بدیہہ بخاطر رسیدہ برنگاشت و ایں مجموعہ استعارات و عبارات را دوسہ مرتبہ باصلاح درآوردہ در مدت دو سال درست ساختہ در سنہ چہلم عالم گیری مطابق یک ہزار ایک صد و ہفتم ہجری و ہزار ہفصد و پنجاہ و سنہ بکرماجیت و ہزار شش صد ہزدہم سنہ سالباہن و چہار ہزار و ہفصد و نود در ہفت گذشت کلجگ مرتب گردانیدہ۔" (٨)

دیباچۂ کتاب میں مصنف نے ہندوستان و ایران میں لکھی جانے والی متعدد تاریخی کتابوں کے نام گنوائے ہیں، جن سے دوران تالیف مصنف نے استفادہ کیا تھا، اس کے اہم مآخذ میں اکبر نامہ، آئین اکبری، تاریخ پنجاب، بادشاہ نامہ، تیمور نامہ، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، تزک جہاں گیری، ظفر نامہ، طبقات ناصری، طبقات اکبری، مآثر عالم گیری، مفتاح التواریخ، منتخب التواریخ وغیرہ کتابیں ہیں، ان کے علاوہ اس نے سنسکرت کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، لیکن وہ اصل کتابوں کے بجائے ترجموں پر اکتفا کرتا ہے، مثلاً ترجمہ ہربنس، ترجمہ رامائن، ترجمہ جوگ بششت و ترجمہ سنگھاسن بتیسی وغیرہ اس کتاب کے دوران تالیف مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہیں، جن کی مدد سے اس نے اپنی تالیف کو ایک خاص مقصد کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ سجان رائے غیر معمولی ذہین اور وسیع المعلومات ہے، لیکن

اپنی علمی بے مائیگی و بے بضاعتی کا اقرار نہایت انکسار سے کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''بہ مقتضای بشریت از سہو و خطا خالی نیست دریں صورت امید از منشیان روزگار و الا منشان فرخندہ اطوار نیست کہ در وقت سیر و مطالعہ ایں نسخہ اگر عبارتی و استعارتی پسند طبع نشود یا آئین نسخہ و ترتیب کتاب ناخوش آید یا فقرات نادرست و مضامین ناموزوں معلوم گردد و بر بی خردی و کم فطرتی ایں احقر العباد مضاحک واستہزا نفر مانید و از روی لطف و کرم عیب پوشی کنند بساں بزرگان خطا پوش اصلاح فرمایند۔''(۹)

بحیثیت مجموعی یہ کتاب دہلی کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے والے بادشاہوں کی مختصر تاریخ ہے، اس تاریخ کو تصنیف کرنے کا مقصد و منشا دہلی سلطنت کے اہم واقعات و حالات کو تفصیلی طور پر پیش کرنا تھا، دیگر سلطنتوں کا ذکر ضمناً کیا گیا ہے، اس کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علم تاریخ سے رغبت رکھنے والے اکثر محققین نے اس سے استفادہ کیا ہے اور اس تاریخ کو دہلی کی بہترین کتابوں میں شمار کیا اور کئی مشرقی و مغربی محققین نے پر مغز مضامین لکھے، غالباً یہ پہلی ایسی کتاب ہے جو کسی ہندو کے قلم کے کارنامہ ہے، جو اس عہد کے سماجی تقاضوں اور تہذیبی رجحانات کی تفہیم میں معاون و مددگار بنتی ہے۔

''ہندوؤں کی تمام تاریخوں میں صرف خلاصۃ التواریخ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس پر مشرق و مغرب کے متعدد فضلاء نے اپنی توجہ مبذول کی ہے۔''(۱۰)

کتاب کے طویل دیباچہ کو اغراض و مقاصد کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، دیباچہ کے بعد تعریف آفریدۂ عالم کے لئے نہایت پرشکوہ مدحیہ جملے استعمال کئے گئے ہیں:

''نقاش نگارخانۂ کائنات و مصور کارگاہ ممکنات چوں اقتضا کرد کہ صور پیرای عجائب ابداع و چہرہ آرای غرائب اختراع گردد بہ وحدت ارادی اربعہ عناصر را با جود تضاد فطری و تخالف طبع با ہم امتزاج و اختلاط دادہ برنگ آمیزی ارادت کبریا وضع انگیزی کلک قضا انواع نقوش غریبہ و اشکال عجیبہ بر مرقع تکوین نگاشت و اشباہ متنوعہ و تمثال مختلفہ را برابر زنگ کون نقش بست یعنی بہ قدرت ابداعی و صنعت اختراعی گونا گوں خلقت و رنگارنگ آفرینش از مکامن خفا بہ منصۂ شہود و از جلباب عدم بہ عرصہ وجود آوردہ انسان را اشرف المخلوقات و اعظم الموجودات مشاہد بدائع صنائع و مظاہر شرائف لطائف خویش فرمودہ۔''(۱۱)

تاریخی اعتبار سے اس کا ابتدائی حصہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جس میں مسلم بادشاہوں سے قبل کے ہندو راجاؤں کے مختصر احوال کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے، راجا یدھشٹر سے لے کر عہد اسلامی تک کے ہندو راجاؤں کی حکومت و نظم و نسق اور زندگی کے دیگر اہم شعبوں سے متعلق اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، لیکن یہ معلومات شک و شبہ پر مبنی ہیں اور بعض بیانات تو ناقابل یقین نظر آتے ہیں، اسی لئے محققین نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"اس میں راجگان ہند اور بالخصوص حکمران دہلی کے نام ان کے از منہ حکومت اور مختصر حالات سلطنت مندرج ہیں...... اگر چہ اس زمانے کے واقعات عموماً قصہ وکہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔" (۱۲)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی کم وبیش اسی قسم کی رائے پیش کی ہے:

"مغلوں سے پہلے جو سلاطین حکمراں رہے، ان کا حال معمولی ہے اور چنداں وقیع نہیں۔" (۱۳)

کتاب کے اس ابتدائی حصے کی تاریخی اہمیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں مصنف نے ہندوؤں کے آداب ورسوم، طور طریق، رہن سہن اور طرز معاشرت کے سلسلے میں نئی معلومات ہم تک پہنچائی ہیں، اس کو ہندو عقائد وروایات سے والہانہ لگاؤ کی وجہ سے وہ ایک سچے قوم پرست کی طرح اپنی قوم کی ایک ایک خوبی کو منظر عام پر لانے کا متمنی دکھائی دیتا ہے، اپنے مذہب وقوم کے عقائد تحریر کرتے وقت اس کا لہجہ الگ محسوس ہوتا ہے، ہندو عقائد سے متعلق اس کی معلومات خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

"خلاصۃ التواریخ کا ابتدائی حصہ زیادہ اہم ہے، جس میں ہندو مذہب اور اس کے رسوم وعلوم پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔" (۱۴)

جب وہ ہندو عقائد بیان کرتا ہے تو اس کے قلم کی روانی میں اور زیادہ شدت آجاتی ہے، اس کو اس بات پر ناز ہوتا ہے کہ اس کے اسلاف نے مدت مدید اس ملک پر حکومت کی اور اپنی فہم وفراست سے اس ملک کو رونق وشادابی عطا کی۔

"ایک اور چیز جو اس کتاب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ مصنف کے دل میں اپنی قومیت کا زبردست احساس موجود ہے جو باوجود ضبط کے نمایاں ہو کر رہتا ہے۔" (۱۵)

جس وقت یہ کتاب زیر تصنیف تھی، اس وقت پورے ملک پر مغل حکومت تھی، چنانچہ مصنف نے صبر وضبط کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تلخی وتعصب کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی، لیکن لہجہ کی سرد مہری کو پوشیدہ نہیں رکھ پایا ہے، اس کو اس بات کا سخت رنج وملال ہے کہ اس وسیع وعریض ملک جس پر اس کے آباؤ اجداد نے حکومت کی، وہ اب غیر قوم کے زیر حکومت ہے، جنھوں نے ان کا ملک اپنے زیر تسلط کیا اور دنیا میں ان کے وقار واحترام کو بھی مجروح کیا ہے، وہ مسلمانوں کی حکومت کے قائم ہونے اور ان کے تسلط وغلبے کو بیان کرتا ہے تو اپنے تمام تر ضبط کے باوجود اپنے لہجے کی تلخی ودرشتی کو پوشیدہ نہیں رکھ پاتا اور بے اختیار اس کے قلم سے یہ جملے باہر آجاتے ہیں:

"قادر مطلق جل جلالہ اقتضای آن کرد کہ سلسلہ فرمان روای ہندوستان از فرقہ ہنود کہ از آغاز آفرینش وارث سلطنت این مملکت ہستند منقطع گردد واین ممالک در ظل راحت جماعۃ مسلمین در آید ودر ہندوستان رواج اسلام پدید از شور سلاطین کہ بہ مذہب ودین وزبان وآئین ہندیان ہیچ بست ندا شتند از ولایت دوروست آمدہ بزور بازوی اقبال وقوت سر پنجہ طالع لایزال این ممالک را انتزاع کردہ نقش وجود نہود را

کہ آباء جد مسند آرای حکومت و سلطنت بودند باب شمشیر آبدار زصفہ روزگار پاک شستند و خرمن ہستی عدوان کہ مخالف مذہب و مدعی سلطنت بودند بہ برق سیف جان ستان خاکستر ساختند۔" (۱۶)

اپنی قوم کی طرح اسے اپنے ملک سے بھی محبت ہے، وہ یہاں کی ایک ایک چیز کا نقشہ بڑی تفصیل کے ساتھ رقم کرتا ہے، قصبات و شہر، حسین و خوبصورت مناظر، بلند و بالا عمارتیں، پیڑ پودے، پھل پھول یہاں کی چھوٹی بڑی تمام چیزیں اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتی ہیں اور وہ بے اختیار ان کی تصویر کشی کرتا چلا جاتا ہے، چند جملے دیکھئے، جو اس نے کشور ہندوستان کی تعریف و تصویف میں رقم کیے ہیں:

"ہندوستان ملکیت وسیع و ولایت دیگر بعشر عشیر آن نرسد با وجود وسعت و فسحت ہمہ جا آباد و در ہر جانب و ہر ضلع امصار و بلاد قصبات کریات در باطان و قلعہ جات مشتمل بر مساجد و معابد و خوانق و صوامع سایر عمارات دلکشا باغات فرح افزا و شجرات دلکش و زراعات سبز و خوش و جویبار رواں و انہار جریان است کہ در ممالک دیگر ایں نوع آبادی و معموری کمتر نشان می دہند۔" (۱۷)

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف عمدہ مورخ ہی نہیں، بلکہ ماہر جغرافیہ داں بھی ہے، اس عہد میں لکھی گئیں دیگر تاریخی کتب میں ہندوستان کے جغرافیائی حالات سے متعلق اطلاعات کم فراہم ہوتی ہیں، لیکن سجان رائے ہندوستان کے مختلف علاقوں مثلاً شاہ جہاں آباد، اکبر آباد، اودھ، بہار، بنگالہ، اڑیسہ، اورنگ آباد، مالوہ، اجمیر، گجرات، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، کشمیر اور کابل وغیرہ کے جغرافیائی حالات ماہرانہ و استادانہ انداز میں بیان کرتا ہے، بالخصوص صوبۂ پنجاب سے متعلق معلومات زیادہ ہیں، کیونکہ وہ یہیں قیام پذیر تھا، سجان رائے ایک بہترین قلمی مصور بھی ہے، پھولوں پھلوں، میووں، نہروں، باغوں وغیرہ کی کیفیات کے بیان میں وہ مورخ نہیں، بلکہ مصور کی حیثیت سے ابھرتا ہے۔

"از رنگارنگ میوہای ربیع و خریفی با کمال غروبت و لطیفی اگر بتفصیل برنگارو کتابی علیحدہ باید اگر چہ انگور و خربوز و انار و سیب و شفتالو انجیر وغیرہ ذالک بہتر از ولائت می شود اما میوہ مخصوص ہندوستان کہتل درندت و بے بدل وٹڈہل بحلاوت ضرب المثل و اناناس بنوش مزگی و خوشبوی روشناس و کیلا حلوا آلو شریفہ حلاوت اندو دنارجیل عدیم المثال و کونلہ و سنگسرہ درمزہ بی عدیل و کنار شیریں کارست و از کنار صرای چہ نویسد کہ خود را بر ہمہ کس وقف کردہ نہالش داماں صادر و وارد میگیرد و از ثمارات خویش فیض می بخشد و دیگر گونا گوں میوہات کہ بیشمار نیاد...... گونا گوں گلہا بیوہ یا ورنگارنگ شقایق مطراز گل سرخ کہ آن را گلاب گویند و یاسمیں و نرگس و سوسن و لالہ رزنبق و بنفشہ و ریحاں و رعنا و زیبا و نافرمان و تاج خروس و قلفہ و عباسی و خطمی و ازغوان و صد برگ و داؤدی وغیرہ ذلک آنچہ در ایران و توران و ولایت دیگر می باشد ہمہ درین ملک ست۔" (۱۸)

دوسرے حصے میں مسلم حکمرانوں کا ذکر ہے، سلطان نصر الدین سبکتگین، سلطان شہاب الدین، سلطان التمش، سلطان

علاء الدین مسعود شاہ، سلطان غیاث الدین بلبن، جلال الدین فیروز خلجی، سلطانت غیاث الدین تغلق شاہ، فیروز مبارک شاہ، محمد شاہ فیروز، سلطان ناصر الدین، محمد شاہ بن سلطان مبارک شاہ، بہلول لودھی، سکندر لودھی، ابراہیم لودھی، نصیر الدین محمد ہمایوں، شیر شاہ سوری، فیروز شاہ بن اسلام شاہ، ابوالمظفر نور الدین محمد جہاں گیر، ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں، ابوالمظفر محی الدین اوراورنگ زیب عالم گیر وغیرہ کے سلسلے میں معلومات فراہم ہیں، مغل شہنشاہوں کے مقابلے میں دیگر شاہوں کے حالات قدرے اختصار کے ساتھ، مغلیہ حکومت کے حالات میں ''اکبر نامہ'' اس کا سب سے اہم ماخذ ہے، حالات شاہ جہانی اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے دیگر تاریخی کتب کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، عہد شاہ جہانی کے بعد کے حالات و واقعات غیر معروضی انداز سے پیش کرتا ہے، خاص طور پر تخت نشینی کو لے کر بھائیوں کے درمیان جو خونریز جنگوں کو اس نے اہمیت دی ہے اور شہزادہ داراشکوہ سے متعلق دلچسپ معلومات دیئے ہیں، وہ ان ہی آزاد و خود مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر کرتا ہے، جو راہ راست مرکزی حکومت سے منسلک ہیں۔

''صوبہ جاتی آزاد حکومتوں کا ذکر مستقل ابواب فصول میں نہیں کیا، بلکہ جس بادشاہ کے عہد میں ان کا الحاق مرکزی حکومت سے ہوا، اس کے ساتھ ہی ضمنی طور پر ان کا بھی مختصر سا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔'' (۱۹)

یہ کتاب ۱۱۰۷ھ میں مکمل ہو چکی تھی، عالم گیر اورنگ زیب کی جانشینی تک کے حالات اس میں قلم بند کیے گئے تھے، لیکن بعد کے واقعات بھی اس میں شامل ہیں، چونکہ مصنف کی تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں ہے، اس لئے کوئی حتمی رائے نہیں دی جاسکتی کہ یہ مصنف کے اضافہ کردہ ہیں یا کسی اور نے قلم اندازی کی ہے، قرین قیاس یہی ہے کہ یہ واقعات الحاقی ہیں اور کاتب کے اضافہ کردہ ہیں۔

''بعض قلمی نسخوں کے آخر میں اورنگ زیب کی تاریخ وفات بھی درج ہیں جو الحاقی معلوم ہوتی ہے..... یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں بعض اوقات ایسے بیانات آجاتے ہیں جن کا تعلق بہت بعد کے زمانے سے ہے، مثلاً برٹش گورنمنٹ کا ذکر، کلکتہ کی عمارتوں کا ذکر وغیرہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین الحاقی ہیں۔'' (۲۰)

یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے، یہ تاریخ ان سطور پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

''القصہ آخر الامر بتاریخ بست وہشتم ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ بعد انتظام مہام روز مبارک جمعہ بعد سہ پاس روز حضرت پادشاہ جنت آرام گاہ در عمر نود یک سال وہفدہ روز دو گھڑی پیمانہ عمر بریز نمود ندمدت سلطنت پنجاہ سال ودو ماہ وبست وہشت روز در ملک دکن در شہر احمد نگر ایں معنی بوقوع آمد۔'' (۲۱)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں عرق ریزی و جانفشانی سے کام لینے کی سعی بلیغ کی ہے، بظاہر یہ تاریخ حکمران وقت کی ایما پر یا کسی صلے کی طمع میں نہیں لکھی گئی، اس لئے آزادانہ رائے اور تنقیدی بصیرت کا بھی احساس ہوتا ہے، بقول سید عبداللہ:

"سجان رائے میں آزادی اور دیانت کا جوہر معلوم ہوتا ہے۔"(۲۲)

اس کتاب کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں عہد اورنگ زیب سے متعلق جو معلومات قلم بند کی گئی ہیں، مصنف ان کا چشم دید گواہ ہے، اس نے متعدد خونی واقعات اور روح فرسا حالات کا مشاہدہ ومحاسبہ کیا ہے۔

کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو فارسی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے، اسلوب نگارش رنگین وپیچیدہ ہے، اس نے اپنی انشاء پردازی اور طرز تحریر کا جادو بھی جگایا ہے، جو ہمارے بعض اہل نظر کے نزدیک زیادہ مستحسن نہیں، لیکن عہد سجان رائے پیش نظر ہو تو مرصع ومسجع ومقفع نثر مقتضائے زمانہ ہے، عبارت کو رنگین ودلکش بنانے کی غرض سے استعارات وکنایات نے تاریخ کو بوجھل نہیں بلکہ خوبصورت ورنگین بنادیا ہے۔

"مصنف نے کتاب کو پاکیزہ ورنگین عبارت فارسی میں لکھا ہے اور استعارات وکنایات واشعار برمحل وموقع سے اس کو زیب وزینت دی ہے۔"(۲۳)

یہ جامع ومانع تاریخ، عوام وخواص دونوں ہی کے لئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔

حواشی

(۱) حکیم نثار احمد علوی، سخنوران کاکوری، ص۱۳۱، شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی ۱۹۷۸ء۔ (۲) محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحئی، تاریخ فرشتہ، ص ۳۹، مکتبہ ملت دیوبند۔ (۳) اقتدار حسین صدیقی، اردو میں تاریخ نگاری کی ابتداء، ص ۱۷۱، پرنٹولوجی نئی دہلی ۲۰۰۸ء۔ (۴) گردھاری لعل مصحح حسین، تلمذ۔ دیباچہ تاریخ ظفرہ، ص ۴، حکیم برہم گورکھپوری ۱۹۲۷ء۔ (۵) ڈاکٹر سید جمال الدین، تاریخ نگاری قدیم وجدید رجحانات، ص ۱۴، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء۔ (۶) سجان رائے مصحح ظفر حسن، مقدمہ خلاصۃ التواریخ، ص ۶، جی اینڈ سنس، دہلی، ۱۹۱۸ء۔ (۷) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۶، ثمر آفسیٹ پرنٹرز نئی دہلی، ۱۹۹۲ء۔ (۸) سجان رائے مصحح ظفر حسن، خلاصۃ التواریخ، ص ۸، جی اینڈ سنس، دہلی، ۱۹۱۸ء۔ (۹) ایضاً ص ۸-۹۔ (۱۰) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۶۔ (۱۱) سجان رائے مصحح ظفر حسن، خلاصۃ التواریخ، ص ۱۔ (۱۲) ایضاً ص ۶۔ (۱۳) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۹۔ (۱۴) ڈاکٹر نور الحسن انصاری، فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، ص ۴۷۷، کوہ نور پریس، دہلی ۱۹۶۹ء۔ (۱۵) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ۔ (۱۶) سجان رائے مصحح ظفر حسن، خلاصۃ التواریخ، ص ۱۶۰۔ (۱۷) ایضاً، ص ۹۔ (۱۸) ایضاً، ص ۱۱-۱۳۔ (۱۹) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۹۔ (۲۰) ایضاً۔ (۲۱) سجان رائے مصحح ظفر حسن، خلاصۃ التواریخ، ص ۵۳۸۔ (۲۲) ڈاکٹر سید عبداللہ، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۹۱۔ (۲۳) سجان رائے مصحح ظفر حسن، خلاصۃ التواریخ، ص ۶

☆......☆......☆